

PARHLO PAKISTAN

اب آپ ہر قسم کے ناول ہماری ویب سائٹ
سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ہماری ویب سائٹ ناولز رہٹرز کے لئے آفر
بھی دیتی ہے۔ اگر آپ لکھنے کے شائق ہیں تو ہم سے رابطہ
کریں۔ آپ کے ناولز کے علاوہ ناول کے بہترین ہونے
پر آپ کو کیش پرائز بھی دیں گے

ابھی اپنا ناول EMAIL کریں اور اپنے لکھاری ہونے کا فائدہ اٹھائیں۔

WHATSAPP GROUP : 0318-9992829

PARHLO.COM.PK@GMAIL.COM

دعا

ایک دعا جو میرے نانا پڑھا کرتے تھے۔ امی نے مجھے بتایا۔۔۔۔۔ یوں ہے۔
اے قادر مطلق ہر بلند و پستی
شش چیز عطا بہ کن زہستی
ایمان امان تندرستی
علم و عمل فراخ دہستی

از: معزا کبیر، کراچی

درخواست

ایک صاحب کو اپنے پاس سے چھٹی چاہیے تھی۔
انہوں نے اس طرح درخواست لکھی۔

rain was raining leg my
مہسلک گر گیا ہم
اس لیے فذوی can not com
one day رخصت می خواہم
یہ لطیفہ بھی والدہ نے سنایا تھا۔

از: معزا کبیر، کراچی

”میں نے آمنہ سے شادی کر لی۔۔۔۔۔ اس کے ابا کی دوہی تو بیٹیاں تھیں، چھوٹے داماد کو امریکا سٹیل کرا دیا ہے۔۔۔۔۔ اس لیے کہتا تھا تجھے کہ میری سالی سے شادی کرتا تو امریکا میں ڈالروں میں کھیلتا مگر تجھے بچپن کی مٹکئی کا خوف لاحق تھا۔۔۔۔۔“ وہ جتائے پنا نہ رہ سکا۔ ظہیر کو اس کا انداز اچھا نہ لگا۔

”خوف کی کیا بات۔۔۔۔۔ میرے گئے چچا کی بیٹی ہے اور میری بیوی نہایت نیک اطوار ہے اور ہر روز گار مجھے کیا ضرورت تھی کسی کو بیڑھی بنانے کی۔“ اس کی وضاحت میں ماجد کو قطعاً دلچسپی نہ تھی۔ جیسی بات کاٹ دی۔

”اچھا چھوڑو مجھوں۔۔۔۔۔ میں تو یونہی بتا رہا تھا۔ میری بھی بچپن کی مٹک تھی اس کی بھی کہیں اور شادی ہو گئی۔ میری بھی اس سے ہوتی تو کیا ملتا تھا مجھے۔۔۔۔۔ آمنہ سے شادی کر کے زندگی بن گئی کہاں وہ پرچون کی دکان، کہاں سینٹ صاحب نے مجھے دولوں کا انتظام دے رکھا ہے۔ اور

گاڑی کو ریوٹ سے لاک کرتے ہوئے ذرا سا بھاگ کر اس کے پاس آیا اور فریضہ سرت سے ہٹ گیا۔
اپنی معاشی الجھنوں میں گرفتار ظہیر سر جھکائے اپنا راستہ ناپ رہا تھا کہ گڑ بڑا سا گیا مگر سامنے بچپن کے دوست ماجد سے مل کر اسے بہت زیادہ خوشی ہوئی۔
”کیسا ہے بھی تو۔۔۔۔۔؟ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تو نے؟
اپنی عمر سے کہیں بڑا لگ رہا ہے۔“ اس سے الگ ہو کر ماجد اب بخور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ مٹی ہوئی پتلون، قمیص اور کئی طرف سے زیادہ گھسا جوتا پہنے آدھا سر سفید لیے، چہرے کو راستے کی دھول سے زیادہ حالات نے دھواں، دھواں کر رکھا تھا۔
ظہیر بھی کئی سی ہنس دیا۔

”ٹھیک ہوں یار مجھے کیا ہوتا ہے، اب بال بچوں والا ہوں، عمر بھی ہو چکی اب جوان تھوڑی لگوں گا۔۔۔۔۔ مگر ہاں تمہاری عمر کو لگ رہا ہے ریورس کنٹر لگ گیا ہے۔ ماشاء اللہ۔۔۔۔۔ ایک دم جوان لگ رہے ہو۔“ ماجد کے برعکس وہ اس سے محبت سے کہہ رہا تھا۔ ماجد اترا سا گیا۔
گہرے نیلے رنگ کے تھری بیس سوٹ میں ملبوس چمکتے ہوئے جوتے جو سڑک کی دھول میں بھی چمک رہے تھے، اسے سی والی گاڑی سے اتر کر تو آیا ہی تھا۔۔۔۔۔ گہرے بھورے ڈائی ہوئے بال کلین شیو میں غیر ملکی پرفیوم میں رچا بسا وہ چالیس ڈگری میں بھی خوب تر و تازہ دکھائی دے رہا تھا۔

”ہاں بس تمہاری طرح خود کو چھوڑ نہیں رکھا۔۔۔۔۔ جم جاتا ہوں، سیلون جاتا ہوں، اچھا کھاتا، پیتا ہوں، تم تو لگتا ہے جم تو دور کی بات لگتا ہے بھائی بھی خیال نہیں رکھتے۔“ اسے بولتے، بولتے اس کی قمیص کے گریبان کا بٹن لٹکا نظر آیا تو اسے کھینچ کر اتار کر اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے ٹوک بھی دیا۔ ظہیر شرمندہ سا ہو گیا۔
”ارے نہیں یار۔۔۔۔۔ بہت خیال رکھتی ہے وہ، بس آج اسے استری کرتے نظر نہیں آیا ہوگا۔۔۔۔۔ تم سناؤ یہ گاڑی، ایسے سوئڈ بوئڈ آئی کا یا پلٹ کیسے؟“ ظہیر کو اندازہ تو تھا کہ بات بدلنے کو پوچھا پڑا۔
ماجد کے چہرے پر فخریہ مسکراہٹ در آئی۔



دامادجی

واعظ زیدی

”ارے ظہیر، ظہیر رکنا ذرا۔۔۔۔۔“ برسوں بعد ظہیر اسے راہ چلتے نظر آیا تو وہ گاڑی سڑک کنارے لگا کر آواز دے بیٹھا۔ اس کی آواز پر چونک کر سر اٹھا کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر خیال بھی نہ گزرا کہ لاکھوں کی چم چم کرنی گاڑی میں بیٹھے کسی کو اس شخص کا خیال آیا ہے۔ ظہیر کو ادھر ادھر دیکھتا پتا کر اس نے گاڑی ایک جانب لگائی اور باہر نکل آیا۔ اسے سی والی گاڑی سے نکل کر سورج کی تپش ایک دم بہت بری محسوس ہوئی مگر دوست کو نظر انداز بھی نہیں کر سکا۔

بڑا کر رہ گیا۔

☆☆☆

”بیوقوف آدمی..... ہمیشہ ایسے ہی فقیر رہے گا۔“
گاڑی سبک رفتاری سے صاف سڑک پر چلاتے اسے کی
کولنگ تیز کرنے کے باوجود بھی اس کے دماغ کو گری
چڑھ چکی تھی۔

”بڑی ہمدردی تھی اسے آسیر سے..... آسیر کے ابا
سے بھلا کیا ملتا مجھے، ان کے تو بیٹے ہی تین تھے ایک دکان
کے حصے دار..... اس کی طرح تیز دھوپ میں پیدل مارچ
کر رہا ہوتا یہیں کہیں.....“ ہونہ اس نے نفرت سے سر
جھٹکا۔ ”بھی اس کا موبائل بج اٹھا۔ سر صاحب تھے.....
اس نے جھٹ کان سے لگا یا بنا سلام دنا جھاڑ پڑی تھی۔
”کہاں غائب ہو؟ آج آمنہ کا آپریشن تھا یاد نہیں
کیا تمہیں؟ کرتے کیا پھرتے ہو تم، کتنی بار کہا ہے، مجھے
میری بیٹی سے عزیز کوئی نہیں..... اس وقت وہ یہاں اکیلی
کیوں ہے؟ پاس کیوں نہیں تم اس کے۔“

”بابا دادہ.....“ اس کا گلا خشک ہوا۔ ”بس آ رہا ہوں
دفتر سے نکل آیا ہوں راستے میں ہوں.....“
”دفتر گئے ہی کیوں.....؟ کام دھند تو تمہیں کوئی ہے
نہیں..... تمہیں آمنہ کے ساتھ ہی آنا چاہیے تھا۔ سیدھے
پہنچو یہاں اور ہاں تھوڑا احساس ذمے داری پیدا کر لو خود
میں..... کہاں تک اسپون فیڈنگ کریں گے ہم نکلے بچے کی
بھی کوئی حد ہوتی ہے، سدھر جاؤ چھوڑ دو اب یہ کلنڈر اپنا
باب بن گئے ہو اب تم.....“ ان کی ڈانٹ ڈپٹ جاری تھی۔
مگر خیر اتنی بڑی تھی کہ وہ بے ساختہ خوش ہو گیا۔ ”اللہ نے نئے
سالوں بعد اولاد کی نعمت سے نوازا ہے۔“

”کیا واقعی؟ کیا ہوا میرا مطلب.....“ وہ ہچکچا سا گیا
بولتے ہوئے، وہ بھی اس کی خوش محسوس کر کے نرم ہوئے۔
”ہاں مبارک ہو تمہیں..... اللہ نے رحمت بھیجی ہے
بلکہ رحمتیں..... چڑواں بیٹیاں ہوئی ہیں، تم بھی دو بیٹیوں
کے باب بن گئے ہو میری طرح.....“ وہ آگے بھی کچھ کہہ
رہے تھے مگر ماجد کا ذہن ایک جگہ انک سا گیا تھا۔
”میری طرح.....“



بقیہ کا روبرو بھی..... تقریباً میں نے ہی سنبھال رکھا ہے،
مجھے تو پتا ہے مجھے کبھی امریکا دیر کا جانے کا شوق نہیں تھا۔
بھئی جب ہمیں ترقی کا موقع ہے تو کیا ضرورت ہے
گوروں کے دیس جانے کی..... تو پتا ابھی تک دکان
سنبھال رہا ہے ابا کی.....؟ ہم نے تو اپنی دکان کب کی بیچ
دی آج کل ادھر پلازہ میں..... اچھا سن.....“ اسے فخریہ
بتاتے، بتاتے اسے کچھ خیال آیا۔

”مجھے دکان کروادوں؟ یہیں اس..... کارنر والے
پلازہ میں..... دیکھ یہ میرا ہے.....“
”ارے نہیں.....“ ظہیر ہنس بڑا۔ ”دکان گھر سے
قریب ہے ابھی بچے چھوٹے ہیں گھر کی خبر گیری کرتا رہتا
ہوں پھر وہاں سب جاننے والے ہی ہیں..... ماشاء اللہ
سے اچھا گزارہ ہو جاتا ہے۔“
”پھر بھی ترقی کا موقع کون گنواتا ہے؟“ ماجد تیز
لہجے میں بولا۔

”وہ دکان تو چھوٹے بھائی کے حوالے کر اور خود اپنا
کاروبار الگ شروع کر، آگے بڑھ، اپنے بیوی بچوں کا
سوچ.....“
”نہیں یار ظہیر ڈاکٹر بن رہا ہے ماشاء اللہ سے چند
سال کی ہی بات رہ گئی اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا تو سنا
بھابی کیسی ہیں بچے کتنے ہیں تیرے.....؟“ ظہیر حسب
عادت سہولت سے بات ٹال گیا۔
ماجد نے سر پر ہاتھ مارا۔

”ابے یار بھول گیا تیری بھابی کے پاس ہی جا رہا
ہوں، خوشخبری ہے، دعا کرنا.....“ ماجد ایک دم سے جلدی
میں دکھائی دینے لگا۔ ”اچھا چلتا ہوں میں..... آنا کبھی ملنے
ذہن بدلے تو پتا نا..... یہ میرا کارڈ رکھ لے.....“

گجٹ میں کارڈ تھا کہ وہ مصافحہ کر کے خدا حافظ کہتا
گاڑی کی جانب لپکا تھا۔ اس کے تیزی سے گاڑی نکال کر
لے جانے تک ظہیر اسے ہی دیکھتا رہا تھا۔ گاڑی نظروں
سے اوجھل ہوئی تو گہری سانس لے کر کارڈ مروڑ کر یونگی
سڑک کنارے پھینک دیا۔

”ہونہ..... ذہن..... خدا نہ کرے بدلے کبھی میرا
اور میں تیری طرح مفاد پرست اور خود غرض ہوں.....“ وہ